ISSN Print: 2394-7500
ISSN Online: 2394-5869
Impact Factor: 3.4
IJAR 2014; 1(1): 257-260
www.allresearchjournal.com
Received: 22-10-2014
Accepted: 12-12-2014

Dr. Majharul Haque
Dinara, Mohalla-KAZI Bangla, Dinara, Rohtas, Sasaram Bihar, India

Corresponding Author:
Dr. Majharul Haque
Dinara, Mohalla-KAZI Bangla, Dinara, Rohtas, Sasaram, Bihar, India

تعلیم کا مفہوم اور اس کے مسائل

Dr. Majharul Haque

Introduction

مہذب معاشرتی نظام کا کوئی تصور تعلیم اور حصول تعلیم کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشرتی فروغ کی جڑیں تعلیم میں پیوستہ ہوتی ہیں۔ گویا انسانی ارتقاء کی تاریخ تعلیم کے فروغ کی داستان ہے۔ جیسے جیسے انسان تعلیم سے بہروہ ور ہوتا گیا، جیسے جیسے زندگی تعلیم کی روشنی سے منور ہوتی گئی، زندگی میں نکھار آتا گیا ہے، عہد عتیق سے لیکر دور حاضر تک کی تہذیبی روش اور قدروں کا اتار چڑھائو تعلیمی نشیب وفراز کی تشرح وتفہیم میں مضمر ہے، لیکن یہاں ایک سوال یہ پیداہوتا ہے کہ تعلیم کیا شئے ہے؟ انسانی زندگی میں اس کی کارکردگی سے کیا مراد ہے؟ مختلف وقتوں اور زمانوں میں اس کا کیا منصب رہا ہے؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات ابھر رہے ہیں، ان میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ تعلیم کے ذرائع کیا کیا ہیں؟ قبل اس کے کہ میں ان سوالات کا اپنے طور پر جواب دوں ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض ماہرین تعلیم کے حوالے سے مفہوم تعلیم کی وضاحت کر لیا جائے۔ تعلیم کو انگریزی میں EDUCATION کہتے ہیں۔ ایجوکیشن لفظ لاطینی زبانEDUCATAM لفظ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پرورش کرنا۔ بہت سے ماہرین نے اس کی الگ الگ لفظی معنٰی بتائیں ہیں جو اس کے خاکہ سے واضح ہو جاتا ہے۔

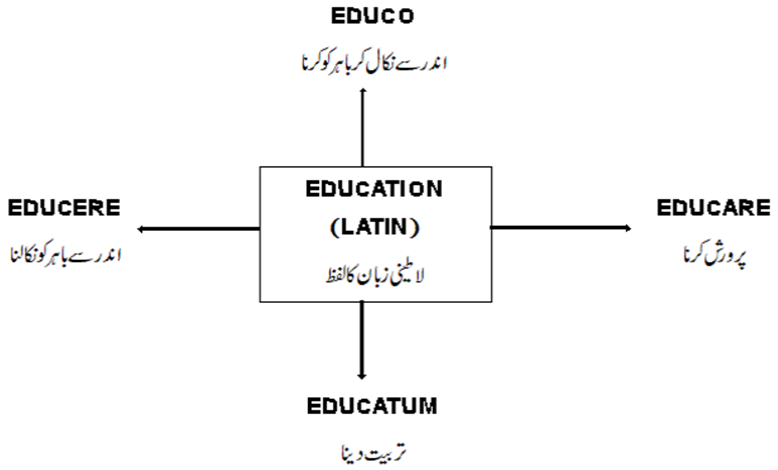

تعلیم کا لفظی مفہوم:-

تعلیم ان تمام سرگرمیوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعہ سے انسان اس سماج میں جس میں کہ وہ رہائش پذیر ہوتا ہے مثبتت انداز میں اپنے طرز خیالات، صلاحیتوں، رویہ اور رجحانات کی نشو ونما کرتا ہے۔
(C.V. Good Dicdionary of Education)

تعلیم بچے کی انفرادیت کی مکمل نشو ونما ہے تاکہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ اپنی زندگی کو اصلی تعاون دے سکے۔''
ٹی اے مونٹ کی تعریف -:

"Education is that prosess of development which cousists the passage of human being from infancy to maturity, the process where by he adapt himself gradually in various ways to his physical and spritual environment".

اگر ٹی اے مونٹ کی تعریف کا تجزیہ کیجئے تو مندرجہ ذیل -:نکات سامنے آتے ہیں
الف) تعلیم انسانی زندگی میں ایک مرحلۂ ارتقاء ہے۔)
ب) یہ ارتقاء عہد طفلی سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور پختہ) عمر تک جاری وساری رہتا ہے۔
ج) ایسے ارتقاء سے انسان کے ذہنی، روحانی اور جسمانی) ترفع کا جواز پیدا ہوتا ہے۔
د) یہ ارتقاء کسی ایک طریقۂ کار کے حصول پر مبنی نہیں) ہے بلکہ اس کے مختلف طریقے اور ذرائع ہیں۔
درج بالا معنی ومفہوم سے یہ واضح ہے کہ بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا قدرت نے اس کے اندر بے پناہ صلاحیتیں بخشی ہیں۔ یہ صلاحیتیں عمومی طور پر مخفی ہوتی ہیں۔ جب تک کوئی ذریعہ انہیں متحرک نہ کرے وہ ابھر ہی نہیں سکتیں۔ کسی بچے کی صلاحیتوں کو جوں کا تو چھوڑ دیا جائے تو نہ وہ صرف معدوم ہو جائیں بلکہ خودر وپودوں کی مانند خاردار جھاڑیوں میں بھی تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اور سماجی میں طرح طرح کے پراگندگیاں جنم لیں گی یا دوسری صورت میں وہ از خود مردہ ہو جائیں گی اور اس کی آئندہ کی زندگی ان صلاحیتوں کی ثمر سے محروم بلکہ بے برگ وبار رہیں گی۔اس لئے صلاحیتوں یعنی مخفی صلاحیتوں کے لئے محرک ضروری ہے۔ یو تو تعلیم اور تعلم پر ماہری نے خوب خوب روشنی ڈالی ہے لیکن اس وقت میرے ذہن میں سقراط کی تعریف مرکوز ہے جو بڑی ہی جامع تعریف ہے-:

"Education means the brining out of the ideas of universal validity which are latent in the mind of everyman".

ایسا لگتا ہے کہ تعلیم کی وسعت اور ہمہ گیری کے تمام پہلو سقراط پر عیاں تھے، اس کی نگاہ میں تعلیم کا کوئی ایسا نقص تھا ہی نہیں جسے رد کیا جا سکتا ہو یا جسے کائناتی تعلیم وررضا حاصل ہونے میں کوئی شئے آڑے آتی ہو۔ سقراط سے لیکر آج تک تعلیم کی تعریف اور اس کے حدود پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ممکن نہیں کہ تمام آرا کو یہاں نقل کیا جائے۔ پھر بھی چند معروف تعریفوں کی طرف توجہ کرتا ہوں جو بیک وقت تعلیم کے مختلف اساسی پہلوئوں کی سمیٹتی ہیں اور ان کے خدو خال نمایاں کرتی ہیں-:

1. "Education is a process by which the Child makes the internal external".
2. "Education is the manifestation of perfection already reached in man".
3. "Education meaus to enable chld to find out ultimate truth..... making truth its ownand given expression to it".

-:تعلیم کا وسیع مفہوم
اپنے وسیع مفہوم میں تعلیم ان تمام اثرات کو اپنے اندر شامل '' کرتی ہے، جس کا کا انسان پیدا ہونے سے لیکر مرتے وقت ''تک تجربہ کرتا ہے۔

(DUM VILLE)
-:کی تعریفKilpatrick
اگر وسیع مفہوم میں دیکھا جائے تو ساری زندگی جو سوچ سمجھ کر گزارا ہے وہ تعلیم۔

تعلیم کا محدود مفہوم-:
Thompsonکی تعریف- :
''اپنے محدود مفہوم میں تعلیم کا مطلب انسان پر ماحول کے اس اثر سے ہے جو کسی اس کے کردار، عادات، رویہ اور سوچ کے طریقہ میں تبدیلی لانے کے لئے دیا جاتا ہے۔''

Raymontکے مطابق -:
''اپنے محدود مفہوم میں تعلیم اپنے اندر ان اثرات کو شامل نہیں کرتی ہے جو کہ انسان کے اوپر اس کے آس پاس سے آتا ہے بلکہ ان مخصوص اثرات کو عامل کرتی ہے جو کہ جان بوجھ کر نوجوان لوگوں پر اس سماج کے بالغ لوگوں کے ذریعہ لائے جاتے ہیں۔ وہ اثرات چاہے گھر کے ذریعہ لائے جائیں چاہے عبادت گاہوں کے ذریعہ لائے جائیں یا پھر حکومت کے طرف سے''۔

تعلیم کا تجزیاتی مفہوم-:
تعلیم صرف اسکولوں میں دئیے جانے والے علم تک (۱) محدود نہیں ہے۔
تعلیم بچہ کی خداداد صلاحیتوں کی نشو ونما ہے۔ (۲)
تعلیم ایک محرک عمل ہے۔ (۳)
کے مطابق:- تعلیم ایک دو قطبی عمل ہےAdom (۴)

Educandi ——————— Educador
تعلیم ایک سہ فریقی عمل ہے (۵)

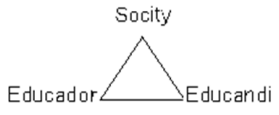

سماجی نشو ونما کا ایک عمل ہے۔ (۶)
تعلیم بالیدگی یعنی گروتھ ہے۔ (۷)
)۸ (تعلیم ہمہ جہت ترقی کا ذریعہ ہے۔

تعلیم کا حقیقی مفہوم-:
M.K.GANDHIکی تعریف ہے -:
''تعلیم سے میری مراد بچوں اور افراد کی بہتری جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے سے ہے۔''
T.P.NUNNکی تعریف -:

4. "Education is a natural harmonious and progressive development of man's in nate powers."
5. "Education is the development in the individual of all the prefection of which he is capable".

تعلیم کی اور جتنی تعریفیں درج کی گئی ہیں اور سینکڑوں مزید کی جا سکتی ہیں لیکن میرا مقصد تعریفوں کا انبار لگانا نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ تعلیم کے بارے میں مفکرین اور ماہرین تعلیم نے جو حقائق پیش کئے ہیں وہ سامنے آجائیں۔
پہلی تعریف فروبل (Frobel) کی ہے۔ انہوں نے بس اتنا کیا ہے کہEducation کے لغوی معنی کو ایک جملے کا درجہ دے دیا ہے۔ بات وہی سامنے آتی ہے کہ بچوں کے اندر صلاحیتیں موجود ہیں۔ انہیں باہر لانے کا نام تعلیم ہے، دوسری تعریف ویویکانند کی ہے، ویویکانند کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، ان کی فکری اور عملی سرگرمیوں سے ہم سب واقف ہیں، موصوف نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ انسان کا ایک درجۂ تکمیل ہے۔ اس درجہ تکمیل کا مظاہرہ ہی تعلیم ہے، یہاں محسوس کیا جا سکتا ہے کہ ویویکا نند نے تعلیم کی حدوں کو بڑی وسعت بخشی ہے۔ انسان مکمل ہے، کامل ہے لیکن اس کی تکمیلیت کا جوہر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ا کا اظہار نہ ہو۔ تیسری تعریف جو رابندر ناتھ ٹیگور کی ہے ہمیں ایک قدم اور آگے لے جاتی ہے۔ تعلیم بچوں میں وہ قوت پیدا کرتی ہے جس کے ذریعہ وہ سچائی تک پہنچتے ہیں اور تعلیم سچائیوں کی تلاش کا نام ہے، بڑی فلیسفیانہ بات کہی گئی ہے، اور اس میں کتنے پہلو خود بہ خود سمٹ آئے ہیں۔ آخر انسان کا کام کیا ہے۔ سچائیوں کی تلاش چاہے اپنے اپنے گھر بار ہی میں ڈھونڈنا پڑے یا مظاہر قدرت میں یا سائنس کی ایجادات کی شکل میں یا قدرت کے زارہائے سربستہ کے انکشاف میں، تعلیم یہی کام بہر طور کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ انسان مہذب کہلاتا ہے، اس لئے کہ وہ سچائیوں سے ہمکنار رہتا ہے، اس طرح اس کے کردار کی تعمیر کی صورت از خود بھر جاتی ہے۔
چوتھی تعریف کی طرف توجہ کیجئے تو اندازہ ہوگاکہ تمام ماہرین تعلیم نے اس کا احساس دلایا ہے کہ علم سے انسانوں کے اندر کی صلاحیتوں کا فروغ ہوتا ہے، اس سے انسان کی اندرونی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں۔ ایسا نہیں کہ قدرت نے کسی شخص میں کوئی صلاحیت ہی نہیں بخشی ہے، ہر شخص قدرت کی فیاضی سے مالا مال ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ضروری تعلیم وتربیت کی محرومی اس کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے اور وہ دنیا کے حالات یہاں تک کہ اپنے حالات سے بھی بے خبر رہتا ہے اور لا علمی کی زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔
آخری تعریف گویا تمام مباحث کا نچوڑ ہے۔ ایک سوال ہے کہ تعلیم سے ہم کیا چاہتے ہیں؟ جواب آسان ہے۔ ایک انسان کی حیثیت سے مکمل ہونا۔
تکمیلیت کا حصول آسان نہیں مشکل امر ہے۔ تعلیم ایک ذریعہ ہے جس کے طفیل ہم مکمل اور اکمل ہوتے ہیں۔ گویا جاہل اور ان پڑھ ایک مکمل انسان نہیں، گویا وہ انسان ہی نہیں۔ ایسے میں تعلیم کی اہمیت کا سارا راز از خود واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے۔
بہر طور! تعلیم رسمی بھی ہو سکتی اور غیر رسمی بھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ضیاء الدین علوی بجا طور پر لکھتے ہیں:-
’’ہم یہ جانتے ہیں کہ انسان پیدائش کے وقت بے بس اور لاچار ہوتا ہے اور اس کی کمزور اسی کا زمانہ بہت لمبا ہوتا ہے۔ اگر بچہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تواس کے لئے زندگی برقرار رکھنا ناممکن ہوگا، اس لئے والدین کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ بچے کی پوری دیکھ بھال کریں تاکہ نسل کی بقا ہو سکے۔ اس کے بعد ان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ نئی نسل کو معاشرہ کے رسم ورواج، تہذیب وتمدن سے روشناس کریں تاکہ ان کے تہذیبی ورثہ کی بھی حفاظت ہو سکے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے بڑے لوگ بچوں کو عملی طور پر اپنے کاموں، رسم ورواج وعبادات میں شریک کر لیتے ہیں۔ اس طرح بچہ بھی یہ سب باتیں سیکھ لیتا ہے۔ یہ تعلیم صرف گھر تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ بچے کے پڑوسی، کھیل کے ساتھ ساتھی، مذہبی ادارے اس تعلیم میں برابر کے شریک ہیں۔ یہ کام کافی دشوار ہوتا ہے کیوں کہ بچے کو بزرگوں کی توقعات وخواہشات سے فطری طور پر دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر معاشرتی ماحول اس کام میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ بچے کی سماجی لحاظ سے اچھے کاموں کی تعریف ہوتی ہے، جس سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور دوسرے کاموں پر ملامت ہوتی ہے۔ جس سے وہ ان سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔ معاشرہ کا یہ محاسبہ بچے میں پسندیدہ معیار پیدا کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اس طرح معاشرہ اور گھر کے بزرگوں کی اس دانستہ کوشش سے بچہ بلند مقاصد کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اسے ہم غیر رسمی تعلیم کہتے ہیں۔ ایک سادہ معاشرہ میں تو یہ تعلیم کافی تھی مگر جیسے جیسے معاشرہ ترقی کرتا گیا اور زندگی پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی گئی، غیر رسمی تعلیم بچے کے تعلیم کی مکمل ذمہ داری لینے سے قاصر ہو گئی اور رسمی تعلیم دینے کی ضرورت پڑی۔ تعلیم دینے کے لئے مدرسے قائم کئے گئے جہاں باضابطہ طور پر بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم دینے کے لئے استاد مقرر کئے جاتے ہیں۔ اسی ادارہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ تہذیبی ورثہ کی اچھی اچھی چیزیں منتخب کی جائیں اور بچوں کو ان سے روشناس کیا جائے۔ اس کا یہ کام بھی ہوتا ہے کہ بچے تخلیقی قوتوں سے کام لے کر معاشرہ کو کچھ نئی چیزیں دیں، کیوں کہ اگر یہ صلاحیت بچوں میں پیدا نہ ہوگی تو معاشرہ جمود کا شکار ہو کر بالآخر فنا ہو جائے گا۔
یوں تو تعلیم کے مقاصد کے بارے میں زید بہت ساری باتیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن طوالت کو راہ نہیں دیتے ہوئے چند بے حد اہم امور کی طرف نشاندہی کرنے پر اکتفاء کروں گا۔
یہ سبھی جانتے ہیں کہ بچے کی تعلیم کے حصول کے بعد کسی قابل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح روزی روٹی کا سامان بھی حصول تعلیم کا ایک مقصد ہے اور یہ ایک بڑا مقصد ہے۔ آج تعلیم جہاں ذہن کی تربیت پر زور دے رہی ہے وہاں انسان کو اس دنیا کے نشیب وفراز سے نمٹنے کا ہنر بھی سکھا رہی ہے۔ تعلیم بتاتی ہے کہ کون سا پیشہ کس شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی تعلیم کے اعتبار سے پیشے حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ بعضوں کو یقینی اس ضمن میں کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن بعض اس راہ میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ تعلیم کا پیشے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ معاملہ تہذیبی ہے، بلکہ بہت حد تک ادارتی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ متعلق تعلیم کے پس منظر ہی میں روزگار بہم پہنچائے۔
تعلیم اور شائستگی کا آپس میں بڑا قدیم رشتہ ہے، یہ بات سبھی مانتے ہیں کہ تعلیم انسان کو تہذیب سکھاتی ہے، شائستہ

مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ڈیوی فلسفہ کو تلاش نہیں بلکہ ترتیب سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک فلسفہ کا کام زندگی کی باضابطہ رہنمائی ہے۔ فلسفہ کو زندگی میں مرتبہ حاصل ہے وہ اپنے انتہائی عروج کو اس وقت پہنچتا ہے جب تعلیم زیر بحث ہو۔ یہاں تعلیم ذرا وسیع معنوں میں مراد ہے۔ یعنی وہ تعلیم جوانسانوں کو اپنے ہم جنسوں اور فطرت کی جانب صحیح قسم کا رویہ اختیار کرنا سکھاتی ہے۔ آگے چل کر ڈیوی کہتا ہے کہ-:

''وہ فلسفہ مصنوعی ہے جو تعلیمی مشاغل پر کوئی اثر نہ ڈالے اور بے سود ہے وہ نظریہ جو اپنی اشاعت کے لئے تعلیم کو وسیلہ نہ بنائے۔ فلسفۂ تعلم وتعلیم کا یہ منشا نہیں کہ ایک رائج الوقت علمی نظام کے اوپر بنے بنائے خیالات کا ایک مجموعہ جس کی غرض وغایت بھی اس نظام سے سراسر بے جوڑ ہو اور بے بنیاد بھی۔ فلسفہ تعلیم تو وقتاً فوقتاً حائل ہونے والی سماجی دشواریوں سے عہدہ برآ ہو سکنے کے لئے لوگوں میں صحیح ذہنی اور اخلاقی رجحانات کی تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ فلسفہ کی اگر کوئی سب سے زیادہ دور رس تعریف ممکن ہے تو وہ یہ ہے کہ فلسفہ نظریہ تعلیم ہی کی وسیع ترین شکل ہے۔''

اسی طرح نفسیات بھی بچوں کی تعلیم کا ایک جز ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں نفسیاتی عوامل کا خاصا دخل رہتا ہے۔ میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں ورنہ فرائڈ، یونگ، ایڈلر کے تصورات یہاں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ نصابی ضرورتوں میں تمام علوم کی کار فرمائی بیش از بیش ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔

بناتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ضیاء الدین علوی صاحب کی رائے یہاں قابل ذکر ہے -:

''بعض لوگوں کے نزدیک علم کا مقصد بچوں کو شائستہ بنانا ہے۔ یعنی حصول تعلیم اور دماغی نشو ونما کے ساتھ اخلاقی نشو ونما بھی چاہئے۔ قدیم روم اور عہد وسطیٰ کے یوررپ میں طلباء کو شائستگی کا اعلیٰ نمونہ بنانے پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ادب اور فن تقریر پر زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ان کے نزدیک ہاتھ کے کام اور پیشہ ورانہ تربیت کو شائستگی سے عاری خیال کیا جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ادب کی اعلیٰ معاشرتی قدر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ ادب کے شاہکار انسانی زندگی کے مسائل او رمحرکات کو سمجھانے میں سائنس او رفلسفہ کے خشک علمی مباحث سے کہیں زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور ہمارے جذبۂ انسانیت اور ذوق نفس کی تربیت کرتے ہیں۔ یہ تعلیم ان لوگوں کے لئے ہوتی تھی جنہیں اپنی خوش حالی کی وجہ سے کسی کسب معاش کی ضرورت نہیں تھی۔ انہیں محض ذہن کی تربیت اور اخلاق کی جلا درکار تھی۔ اس قسم کی تعلیم میں کسی قسم کی پیشہ ورانہ تربیت نہیں ہوتی تھی۔ کیوں کہ ہاتھ کے کام کو نیچا سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک ایک تعلیم یافتہ انسان کی سب سے اہم خصوصیت یہ سمجھی جاتی تھی کہ وہ بڑے لوگوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کے طریقے سے واقف ہو جائے اور تقریر وتحریر میں اسے کمال حاصل ہو جائے اور اپنے طور طریقے اور بات چیت سے شائستگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرے۔ آج کی دنیا میں فن اور ادب کی تقسیم غلط ثابت ہو چکی ہے۔

میں یہاں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اردو، فارسی اور عربی ادب میں بھی یہ صورت دیکھی جا سکتی ہے۔ پند ونصائح کے کتنے ہی نمونے ہمارے سامنے ہیں بلکہ ادبیات عالم کا ایک بڑا حصہ ایسی کتابوں پر مشتمل ہے جس میں شائستگی پر خاصا زور صرف کیا گیا ہے۔ اب بعض صنفیں ایسی وجود میں آئیں جن میں پند ونصائح فن کے کیپسول میں بھر کر پیش کئے جاتے ہیں۔ آج کا انسان علم کے براہ راست طریقے سے اکتا گیا ہے۔ نصائح کی اکثر کتابیں وہ اثر نہیں چھوڑتیں، لیکن اگر انہیں قصوں کا روپ دے دیا جائے تو ہ سب کی سب نصحتیں دلکش بن جاتی ہیناور ان کا اثر بھی ذہن ودماغ پر دیرپا ہوتا ہے۔ شاعری کی صنفوں کے علاوہ تمثیلیہ، انشائیہ، افسانہ، ناول کتنی ہی ایسی صنفیں ہیں جن میں پندونصائح کے دفتر روپوش ہیں۔ میں اس کی تفصیل میں یہاں نہیں جانا چاہتا۔ صرف ایک اقتباس نقل کرنے پر بس کرتا ہوں-:

''ڈیوی (Dewey) کا قول ہے کہ فلسفہ کی ابتداء اس وقت ہوئی جب معاشرتی زندگی کی کشاکشوں سے پیداہونے والی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ فلسفہ اپنے عروج کے ادوار میں ہمیشہ انسانی عمل کے ساتھ چلا ہے۔ اگر فلسفہ محض ایک علاقائی یا نظری مشغلہ یا خود مختارانہ مدعا نہیں ہے تو اس کا عمل سے قریبی تعلق ضروری ہے۔ وہ کیا ہے کہ اس زمانے میں فلسفے کو اپنا اولین منصب دوبارہ اختیار کر لینا چاہئے یعنی روز مرہ کے دشوار عملی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی فلسفے نے 'حقیقت مطلق' یا 'علت روئی' کے جیسے ثمر سے مبحث کو بھی اپنی واحد جولان گاہ بنا رکھا ہے۔ اس کی گزشتہ ناکامی کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ وہ ان اخلاقی قوتوں کو مشعل ہدایت دکھائے جو نسل انسانی کو محرک ہیں۔''